ریاض لطیف

ناپایداری

اور جب ہم نے
ہماری سانس کے مینار پر
تھوڑی جگہ تخلیق کر لی تھی
کہ اُونچے بادلوں سے ہوتکلم،
نیلی لہروں سے تصادم،
کائناتوں کی روانی لے کے لمحوں کے پرندے
آئیں، بیٹھیں، پھڑ پھڑائیں،
اپنے پر کی جنبشوں میں
دور اَن جانے جزیروں کی
شفق کا رقص لائیں،
جاں کے جھرنے گنگنائیں
سانس کے مینار پر

تب کھلا
سب رائیگاں۔
کوئی کہیں رکتا نہیں۔
ہر سانس میں ہم بھی تو بہ جاتے ہیں
خود سے دور دور
اپنے کناروں کی، افق کی آنکھ سے اوجھل۔

ہم کسی گم راہ جذبے کی طرح
جو گھل ہی جاتا ہے
بھٹکتی ساعتوں کے لمس میں۔
ہم گھروں میں، آفسوں میں، راستوں کی بھیڑ میں۔
ہم سسکتی رینگتی بس کی قطاروں میں
سنیما، بینک، راشن کارڈ،
خستہ چار پائی کے حصاروں میں،
مقفل زندگی کے ریگ زاروں میں،
بجھے کمپیوٹروں کے ''اسکرین'' پر
کھوئے جہانوں کے نقوش۔
''سٹار'' ٹی وی کے مرید
ٹوٹتی دیوارِ برلن کی شکستہ خشت ہم۔
اپنے ماضی کے جواں آسیب سینے میں گڑے۔
دوست ہم تو ''گلاسنوست''
انتشارِ روس کے بے گھر ثمر۔
بوسنیا، کروئیشیا کے برف ہوتے خون کے ہم نوحہ گر۔
بھوکے افریقا کے منہ میں لقمۂ دردِ جگر۔
رام، بس ہم تو تمام!
اونگھتے پانی میں سرشٹی کا وہ پہلا بیج بوتے
دورِ حاضر کا خدا ایجاد کرتے
بے کفن کشمیر کی لاشیں لیے۔
''سارک'' ملکوں کے دہکتے اجتماع میں،
ہم کبھی ''یواین او'' کے منبر پر
سوالوں کو سوالوں میں ڈبوتے،
اپنی غربت کے دیاروں میں

جہاں پر ہنستے روتے۔
ہم گرجتے کھوکھلے نعروں میں ہم
''امن لاؤ''
''پیڑ اگاؤ''
''ملٹی پارٹی فارمولا''
''ایڈز کو نابود کردو''
''وہیل ڈولفن کو بچاؤ''—

بچ سکے ہیں آج تک اس جسم کے طوفاں سے ہم؟
ہم بدن میں، روح میں،
اظہار کے سرگرم گنبد میں کہاں ہیں؟
انکشافوں کی، منور خاک کی منسوخ سرحد میں کہاں ہیں؟
رخوں کی سرزمینوں پر
قیامِ حسن کی مانند کچھ پل ہم سوالی۔
لبوں کے جام مسکانوں سے خالی۔
سمندر بھاپ بن کر اُڑ گئے ہوں جیسے سارے۔
ٹھہرتا ہے کہاں دریا میں پانی؟
ٹھہرتا ہے کہاں لفظوں میں معنی؟
ورق کی جلوہ گاہوں میں پھٹے حرفوں کی عریانی
تصوّر سے، تکلّم سے، زبانوں سے، بیانوں سے،
پھسل پڑتی ہے معنی کی بیابانی۔
ہم رواں ہیں۔
ہم کہاں ہیں؟
ہم، ادھورے جام چھلکاتے، مٹن مغلائی کھاتے۔
ہم نگر کی شاہ راہوں پر

درخشاں ہوٹلوں میں ہم
لہو کی بوتلوں میں ہم
علالت کی گراں مسمار آہوں میں کہاں ہیں؟

غبارِ ذہن کے گم نام گوشے سے،
جسے ہم چھوڑ آئے ہیں
ہماری عمر کی مبہم دراڑوں میں،
صدا آتی ہے ہر دم:
زمیں کے ارتقا کے شور میں تم ہو!
ہزاروں ''یونیوں'' کے گھپ اندھیروں سے گزرتے۔
قدامت کی جڑوں سے پھوٹنے والو،
خود اپنی روح کے کتبوں پہ لکھّے راز تم ہو!
نکل جائیں گے تم کو چیر کر
تخلیقِ ضو، تازہ ستارے، فاصلے،
سرشار بجلی کی لکیریں، تند سیّارے، ہوائیں۔
نکل جائیں گے تم کو چیر کر
پنہاں زمانے، کوہ، دریا، گھاس کے میدان،
جنگل کے ہرے پتّے، گپھاؤں کے دہانے۔
جھپٹتے، ہانپتے، اڑتے، سرکتے لاکھ نسلوں کے
پرندے، جانور، کیڑے مکوڑے، تتلیاں۔
تم، زمیں کے ارتقا۔
تم، بجھے جنموں کی ویرانی میں تم۔
تم، کئی صدیوں کے بوجھل دائروں پر تم محیط۔
چیر کر تم کو نکل جائیں گے پھر
بیتے یگوں کے آدمی،

ٹوٹے ستونوں میں، کمانوں میں،
کھنڈر کے پتھروں پر سبزہ بن کر نغمہ زن اَن جان تہذیبیں۔
نظر میں جھلملاتے شہر،
پھیلی بستیاں، بچپن کی گلیاں،
گائے، کتّے، بکریاں،
دالان، الماری، کتابیں، ریڈیو، صابن!
نکل جائیں گے تم کو چیر کر
روبوٹ، مائکروچپس، ڈی این اے کے دھاگے
اور ایٹم کی تہوں کا آخری جادو۔
سب نکل جائیں گے تم کو چیر کر
امکان کے بدلے ہوئے تیور کے پار۔
گھٹا غیب میں کھوئے ہوئے منظر کے پار۔
تم بدلتے تیوروں میں
تم بدلتے منظروں میں
تم بدلتے جسم میں، بدلے ہوئے چہرے تمہارے۔
تم، کئی صدیوں کے بوجھل دائروں میں تم
کئی جنموں کی سانسوں میں
ہزاروں ''یونیوں'' میں تم
تراش آئے ہو اپنی موت کو تیشہ خالی سے۔
موت میں تم ہو، تسلسل میں بھی تم۔
موت سے آگے بھی تم؟
یا نہیں!

صدا آتی ہے لیکن...
ٹھہرتی ہیں کہاں اجڑی صدائیں؟

ہوا کے ساز پر ملہار درباری سنا کر،
پرانے پتھروں پر ثبت تہذیبوں کو سہلا کر،
مرے اجداد کے چہرے چرا کر،
سرک جاتی ہے گم صم
آسماں کی آخری منزل کے پار۔

کیا ٹھہرتا ہے یہاں؟
ذہن کے گم نام گوشے سے
ہماری عمر کی مبہم دراڑوں سے
پھسل کر گر پڑے ہیں
ٹریڈ یونین، ریڈ کراس، ادبی ادارے۔
علم کے سوکھے بدن کے چارہ ساز
چومسکی، فوکو، ڈریڈا،
مارکس، لاکاں، ہائڈیگر؛
سب ہماری عقل سے باہر شعاعوں کے طیور۔
ذہن کے سونے قفس سے دور دور۔
کیوں میاں مٹھو؟
''کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا؟''
سوچ کا سورج رگِ آوارگی میں ڈھل گیا؟
بجھ گیا سورج رگوں میں
خوں کی لے پر موج زن
بہہ گیا سورج لہو کو تھام کر۔
کیا ٹھہرتا ہے رگوں میں خون بھی؟
بہہ نکلتا ہے اچھلتا کودتا بے باک ''ایمیزون'' کی مانند
اپنے ساتھ ساحل کے اندھیرے جنگلوں کی

سبز وحشت کو سمیٹے
اپنی موجوں کے، افق کے رنگ سے آ گے

اور ٹھہرتے ہیں کہیں پر رنگ بھی؟
رنگ رخساروں سے غائب
رنگ پھولوں سے فرار
رنگ دیواروں کی زد سے گم۔
پکاسو کے کٹے ٹوٹے پریشاں فرد
ڈالی کے خفا پستان خوابوں میں گڑے
اب منتظر ہیں
کوئی آئے اور ان کو منجمد کر دے
مکمل روشنی کے، رنگ کے دل میں۔
سبک آفاق کے آہنگ کے دل میں۔
پر سبک آفاق
اپنے ہی خیالوں میں رواں
کیا ٹھہرتا ہے یہاں؟
ٹینک، لشکر، بم،
ہڈی کی سرنگوں میں چھپا ہیروشما
سب رواں۔
سب کا سب ناپائدار۔
ہم بدن میں، روح میں،
اپنی تہوں کے بےکراں افلاک میں اندر
کہیں اوجھل۔
سمو سکتے نہیں ہم کو
عدم، اَن جان جنموں کے بھنور

لمحوں کے تجریدی حصار۔
سب کا سب ناپایدار۔
کون ہے اب ساعتوں کے آر پار؟
اب کہاں اکھڑی خلاؤں کا غبار؟
اب کہاں اکھڑی خلائیں اب کہاں؟
کون رکتا ہے یہاں؟
کیا ٹھہرتا ہے ہماری سانس کے مینار پر؟
اب نہ لمحوں کے پرندے
اور نہ بادل کی گرج
نیل کہرے، رقص غائب
اور نہ جھرنوں کی پکار۔
سب کا سب ناپایدار۔
اور ہم نے سانس کے تنہا سے اس مینار پر
تھوڑی جگہ تخلیق کر لی ہے۔
ترے بنجر جہاں کی مانگ بھر دی ہے۔